© rasailojaraid.com

گزشتہ سے پیوستہ

قانون انسدادِ توہین رسالت ﷺ

مولانا محمود احمد غازی

غالباً مسلم ماہرین فقہ کی اسی منطق کے باعث ان کا رویہ دوسروں کے رویے سے مطابقت نہیں رکھتا، جو کسی مذہبی پیغام کو وہ حیثیت نہیں دیتے، جو حیثیت مسلمان اپنے دین (وحی الٰہی) کو دیتے ہیں۔ مغربی مسیحی دنیا کے نزدیک یہ رویہ تعصب یا عدم رواداری قرار پا سکتا ہے، لیکن مسلمانوں کے لیے نہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے لیے ایسے معاملات میں مداہنت برتنا صرف اور صرف منافقت ہے۔ جس کا مقصد دوسروں کو بھی ایسی ہی منافقت کی ترغیب دینا ہے، جو حق پر شکوک وشبہات کے سائے ڈالنے کے مترادف ہے۔

سزائے موت کی قرآنی بنیاد: نبی پاک ﷺ کی توہین یا آپ کے اسم مبارک کی بے حرمتی کے جرم کی سزائے موت کے جواز میں مسلم ماہرین فقہ نے قرآن حکیم کی ان آیات کریمہ پر انحصار کیا ہے۔

ا۔ قرآن حکیم میں پیغمبر اسلام ﷺ کے اس انتباہ کا ذکر ہے، جو آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے بت پرستوں کو کیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اسلام قبول کرلیں یا پھر مکہ مکرمہ سے نکل جائیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے ۸ ہجری میں مکہ فتح کیا تھا اور اسی شہر کو اسلام کا روحانی مرکز قرار دیا تھا، جو اہم ترین دینی عبادت حج کا مقام تھا۔ بت پرستوں کو عام شہریوں کی طرح رہنے کی اجازت دی گئی۔ ایک سال بعد سورۃ التوبہ کی چند پہلی آیات مبارکہ کا نزول ہوا، جن میں بت پرستوں کو ۴ ماہ کا نوٹس دیا گیا کہ وہ اسلام قبول کرلیں یا شہر چھوڑ کر چلے جائیں۔ ان آیات مبارکہ میں کہا گیا۔ (ترجمہ):

> ”پھر اگر یہ (بت پرست) توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو (ان کو معاف کردو) یہ دین میں تمھارے بھائی ہیں اور ہم اپنی آیات کو سمجھنے والوں کے لیے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن (وتشنیع) کریں تو ان کافروں کے سرداروں سے لڑو، بے شک ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، تاکہ وہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں“۔

ان آیات کریمہ میں قرآن حکیم نے دو جرائم کا ذکر کیا ہے، جن کا ارتکاب کرنے والوں سے جنگ کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ اول توبہ کرنے، نماز ادا کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کا عہد کرکے عہد شکنی کرنا اور دوسرے مسلمانوں کے دین پر طعن وتشنیع کا ارتکاب۔ چنانچہ مسلمان علمائے دین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کوئی شخص جو حضور نبی کریم ﷺ اور ان کی بنیادی تعلیمات کے بارے میں توہین آمیز اور ہتک آمیز بات کرے تو وہ ان عمومی ہدایات کے تحت سزا کا مستوجب ہوگا۔

۲۔ اسی باب میں مدینہ منورہ کے منافقین کی ریشہ دوانیوں کو بھی پیغمبر اسلام ﷺ کو ایذا دینے کے مترادف قرار دیا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ان کی تضحیک، تمسخر آمیز اور فضول باتوں کو بھی کفر قرار دیا گیا جو قابلِ سزا ہے۔سورۂ توبہ کی آیت ۶۹ میں انہیں (کفار کو) بتا دیا گیا ہے کہ ان کے اعمال نہ صرف اس دنیا میں بلکہ موت کے بعد کی زندگی میں بھی اکارت ہوگئے، کیونکہ وہ حضور پاک ﷺ کا تمسخر اڑاتے ہیں۔قرآن حکیم نے ان لوگوں کو ''خسارے'' میں رہنے والے قرار دیا۔مسلم ماہرین فقہ نے بجا طور پر اس آیت سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ اگر ان لوگوں کو ان کے کیے کی سزا نہ دی جائے، ان کے تمام اچھے کاموں کو اس دنیا اور آخرت میں اکارت قرار دینا بالکل بے مقصد ہوگا، جو شخص اس جرم کی پاداش میں زندگی سے محروم نہیں ہوتا، وہ اپنے اعمال کی جزا سے بھی محروم نہیں ہوسکتا، جس سے اس آیت کے مطابق اسے بہر حال محروم ہونا ہے۔سورۂ احزاب میں تو یہی بات مزید وضاحت سے فرمائی گئی ہے:

(ترجمہ) بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے (اس نے) ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

قرآن حکیم کے شارحین ومفسرین کے مطابق اللہ اور اس کے رسول پاک ﷺ کو ایذا پہنچانے والوں کے لیے آخرت کی زندگی میں اللہ کی لعنت والی بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ایسے لوگوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا، لیکن اس دنیا میں اللہ کی لعنت اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی، جب تک اس گھناؤنے جرم کی اس دنیا میں سزا نہ دی جائے۔

۳۔سورۃ الحشر میں مدینہ منورہ سے یہود کے ایک قبیلہ (بنونضیر) کو جلاوطن کرنے کا ذکر ہے۔یہ واقعہ ۴ ہجری میں پیش آیا۔اس قبیلہ کے لوگوں نے مسلمانوں سے شہریت کا معاہدہ کیا تھا اور میثاق مدینہ پر دستخط کیے تھے۔لیکن انھوں نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں شریک ہوئے۔چنانچہ رسول پاک ﷺ نے انہیں سزا دی اور آخر کار انہیں شہر سے نکال دیا گیا۔ان لوگوں کے جرائم پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

(ترجمہ) اور اگر اللہ نے ان (یہود) کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا میں ان کو (سخت) عذاب دیتا اور آخرت میں (تو) ان کے لیے آگ کا عذاب تیار ہی ہے۔یہ (عذاب ان کو) اس لیے (ہوگا) کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے رہے اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے، تو اللہ کا عذاب (ایسے لوگوں کے لیے) بڑا سخت ہے۔

ان آیات میں پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالفت کو اللہ تعالیٰ کے شدید عذاب کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔یہ بات بھی واضح کردی گئی ہے کہ ان کو یہ سزا صرف اس دنیا میں ہی نہیں دی گئی، کیونکہ اس دنیا میں تو انہیں شہر سے نکالنے کی سزا دی گئی تھی۔

۴۔چنانچہ سورۃ المجادلہ میں اسی جرم کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

(ترجمہ) بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ایسے ہی ذلیل (وخوار) ہوں گے، جس طرح ان سے قبل کے لوگ ذلیل ہوئے اور ہم نے تو (پہلے ہی) صاف صاف آیت اتاری ہیں اور (واضح رہے کہ) کافروں کے لیے (نہایت) رسوا کن عذاب ہے۔

اس آیت مبارکہ میں رسول کریم ﷺ کی مخالفت اور مزاحمت بھی ایک جرم قرار دی گئی ہے، جس پر رسوا کن سزا دی جائے گی۔قرآن حکیم میں کئی مزید آیات بھی ہیں جنھیں ماہرین فقہ، توہینِ رسالت ﷺ کی سزا کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔یہاں یہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا جاسکتا ہے کہ سورۃ التوبہ کی آیت ۶۴ تا ۶۶ ایسی صورت حال سے متعلق ہیں، جن میں کفار کا ایک گروہ اپنی مجالس میں جو ظاہر ہے ان کے نجی مقامات پر ہوں گے، حضور نبی کریم ﷺ کا تمسخر اڑایا کرتے تھے ایسا کوئی موقع نہ تھا کہ ان لوگوں کے عمل کے باعث مسلمانوں کے جذبات میں اشتعال پیدا نہ ہوتا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ توہینِ رسالت ﷺ یا حضور نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک کی بے حرمتی کے جرم کے تعین کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس جرم کے مرتکب شخص نے یہ جرم مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرنے، غصہ دلانے یا برانگیختہ کرنے کے ارادے سے ہی کیا ہو۔ جب توہینِ رسالت ﷺ ثابت ہو جائے تو اس جرم کے مرتکب کو، اس کے مقصد سے قطع نظر سزا ضرور دی جائے گی۔

تاہم کسی عمل کے متعلق یہ تعین کرنے کے لیے یہ عمل توہین کی زمرے میں آتا ہے یا نہیں، متعلقہ شخص کے عزائم کو بھی زیر غور لایا جائے گا۔ خصوصاً ایسی صورت میں، جب اس موقع پر استعمال کیے جانے والے الفاظ واضح نہ ہوں۔ یوں پیغمبرِ اسلام ﷺ کے پاک نام کی توہین کا تعین کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ نے اس حقیقت پر انحصار کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے تین ساتھیوں حسان بن ثابت، مسطح اور حمنہ کو حضور اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ پر غلط الزام تراشی (قذف) کے جرم میں سزا دی گئی تھی۔ ان میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا تھا کہ اس نے توہینِ رسالت ﷺ کے جرم کا ارتکاب کیا ہے، لہٰذا انہیں موت کی سزا نہیں دی گئی تھی۔

امام ابن تیمیہؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ واقعہ قرآن حکیم کی سورۃ الاحزاب کی آیت ۶ کے نزول سے قبل پیش آیا تھا۔ جس میں پیغمبر ﷺ کی ازواج مطہرات کو اہلِ ایمان کی مائیں (امہات المومنین) قرار دیا گیا ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مستقبل میں امہات المومنینؓ سے کسی کے خلاف بھی غلط الزام توہینِ رسالت ﷺ ہی تصور کیا جائے گا۔

ان قرآنی آیات کے علاوہ حضور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران متعدد ایسے واقعات رونما ہوئے، جب صحابۂ کرامؓ نے ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جو توہینِ رسالت ﷺ کے مرتکب پائے گئے تھے اور بعد میں خود آنحضور ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کے اس عمل کو درست قرار دیا۔ ایسے چار یا پانچ واقعات تو حضور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دس سالوں کے دوران رونما ہوئے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنی شاہکار تصنیف ''الصارم المسلول'' میں ایسے واقعات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان تمام واقعات کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شخص توہینِ رسالت ﷺ کا ارتکاب کیا کرتا تھا۔ مسلمانوں نے پہلے تو اسے برداشت کیا، لیکن جب انھوں نے محسوس کیا کہ یہ کام تو شرارت سے کیا جا رہا ہے، انھوں نے توہینِ رسالت ﷺ کے مرتکب کو قتل کر دیا۔ ان تمام واقعات میں حضور نبی کریم ﷺ نے ان صحابہؓ کے خلاف کسی نوع کی کارروائی نہیں کی جو توہینِ رسالت ﷺ کے مرتکب افراد کے قتل میں ملوث تھے۔

ان تمام اسناد کی بنیاد پر ہی ہر دور میں تمام ماہرین فقہ کا یہ متفقہ خیال رہا ہے کہ کوئی شخص جو مسلمان ہو یا غیر مسلم، حضور نبی کریم ﷺ کے خلاف گھٹیا زبان استعمال کرتا ہے، رسول ﷺ کا مضحکہ اڑاتا ہے اور توہین رسالت ﷺ کا مرتکب ہوتا ہے، موت کی سزا کا حق دار ہے۔ نبی پاک ﷺ کی توہین یا تضحیک اسلامی ریاست اور مسلم اُمہ کے خلاف غداری ہی قرار پائے گی، جس کی سزا موت ہی ہو سکتی ہے۔ حنفی یا شافعی مکاتب فکر کے ماہرین فقہ کے مطابق اگر کسی مسلم ریاست کا کوئی غیر مسلم شہری،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توہین رسالت ﷺ کا مرتکب ہو، تو وہ اس جرم کے ثابت ہونے پر شہریت کھو دیتا ہے۔ اس کے تمام حقوق و مراعات ختم ہو جاتے ہیں اور وہ سزائے موت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ بعض دوسرے فقہاء اس نظریہ سے اس حد تک اتفاق کرتے ہیں جب توہینِ رسالت ﷺ کا مجرم کوئی مسلمان ہو، لیکن کسی غیر مسلم کی صورت میں ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ توہینِ رسالت ﷺ کا مجرم شہری حقوق و مراعات سے محروم نہیں ہوتا، اگرچہ وہ سزائے موت کا مستوجب ٹھہرتا ہے۔

چند اہم مقدمات: یہ بات پہلے ہی بیان کی جاچکی ہے کہ توہینِ رسالت ﷺ کے چار پانچ واقعات حضور نبی کریم ﷺ کو آگاہ کیے بغیر ہی قتل کر دیا۔ بعد میں جب حضور انور ﷺ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا گیا اور حضور ﷺ نے بھی واقعہ کی صحت کی جانچ کر لی تو آپ ﷺ نے مجرموں کی سزائے موت کو درست قرار دے دیا۔

مدینہ منورہ میں رونما ہونے والے ان واقعات کے علاوہ مکہ کے مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے افراد نے بھی توہینِ رسالت ﷺ کا ارتکاب کیا۔ یہ افراد جن میں سے اکثر شاعر تھے، وقتاً فوقتاً حضور نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک کی بے حرمتی اور حضور ﷺ کی اہانت میں اپنی شاعرانہ جبلت کو آزماتے اور حضور پاک ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں بے بنیاد کہانیاں پھیلایا کرتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ جب فتح مکہ کے سفر پر روانہ ہوئے تو حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ ان افراد کو ہرگز نہیں بخشا جانا چاہیے اور وہ خواہ کعبۃ اللہ کی دیواروں سے بھی چمٹے ہوئے پائے جائیں، انہیں سزائے موت دی جانی چاہیے۔ تاہم ان افراد میں سے بیشتر کو اس وقت معاف کر دیا گیا جب انھوں نے خود کو پیغمبر اسلام ﷺ کے روبرو پیش کر دیا اور سچے دل سے اسلام قبول کر لیا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے رحم و عفو کے اس اظہار کے بعد مسلم علماء نے توہینِ رسالت ﷺ کے مرتکب افراد کے لیے عفو و درگزر کے امکانات پر غور و خوض کیا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ عفو (معاف) تو صرف اس سے ہی کیا جاسکتا ہے، جو اپنے کیے پر نادم اور پشیمان ہو۔ لیکن فقہاء کی بہت بڑی تعداد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ توہین رسالت ﷺ کے مقدمہ میں عفو کا حق صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کو ہی حاصل ہے اور ان کے بعد کسی کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا۔ فقہاء کے اس نقطہ نظر کے باعث اسلامی تاریخ میں توہین رسالت ﷺ کے کسی مجرم کو معافی نہیں دی گئی۔

سابق مسلم ہندوستان میں بعض اہم واقعات رونما ہوئے، جن کے جنوبی ایشیا کے مسلم معاشرے اور سیاست پر انمٹ اثرات مرتب ہوئے۔ ان میں سے ایک مشہور واقعہ متھرا کے راجہ کا ہے، جسے توہین رسالت ﷺ کا مجرم پایا گیا اور مغل شہنشاہیت کے چیف جسٹس نے اسے موت کی سزا دی۔ مغل شہنشاہ نے متھرا کے راجہ کی زندگی بچانے کی سرتوڑ کوشش کی، لیکن مدلیہ نے مغل شہنشاہ کی درخواست پر غور سے انکار کر دیا۔ مسلمان علماء اور ماہرینِ فقہ کے اس سخت اقدام کے ردِّ عمل کے طور پر ہی جنوبی ایشیا کے مختلف مذاہب اور مذہبی تصوف کے خیالات و روایات کو ملا کر شہنشاہ اکبر نے ایک نیا مذہب پیش کیا، جسے تاریخ میں ''دین الٰہی'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

برطانوی دورِ حکومت کے دوران ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کے عشروں میں ہندوؤں کی طرف سے توہینِ رسالت ﷺ کے متعدد واقعات پیش آئے، جو ہندوؤں کی تحریکوں 'شدھی' اور ''سنگھٹن'' کا حصہ تھے۔ ان تحریکوں کا مقصد مسلمانوں کو ہندو بنانا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ توہینِ رسالت ﷺ کا ارتکاب کرنے والے تمام ہندوؤں کو مسلمانوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان مسلم رضا کاروں پر برطانوی حکومت کے تحت مقدمات چلائے گئے اور انہیں ''تعزیراتِ ہند'' کے تحت موت کی سزا دی گئی۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ اس طرح پھانسی پانے والے تمام مسلم رضا کاروں کو جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے قومی ہیرو کا درجہ دیا، ان کی سوانح عمریاں لکھی گئیں، بلکہ ان کی زندگی پر بعض فلمیں بھی بنائی گئیں، جو بڑی مقبول ہوئیں۔ جنوبی ایشیا کے ممتاز مسلم رہنماؤں نے بھی ان رضا کاروں کو خراج عقیدت پیش کیا۔ انہیں عوام نے ''غازی'' کا لقب دیا اور آج بھی ان کے ناموں کے ساتھ یہ لقب لکھا اور پکارا جاتا ہے۔

ان میں غازی علم الدین خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، جو ایک ان پڑھ ترکھان نوجوان تھا اور جس نے ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو (لاہور میں) ایک ہندو راج پال کو قتل کیا تھا۔ ان کا مقدمہ آج کے پاکستان کی تاریخ میں ایک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ غازی علم الدین کی سزائے موت کے خلاف آخری اپیل کی پیروی خود قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کی تھی۔ جب غازی کی اپیل مسترد کر دی گئی اور غازی کو ۱۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو پھانسی پر لٹکایا گیا، تو تحریک پاکستان کے فکری باپ علامہ اقبالؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انھوں نے کہا: ''ہم محض باتیں کرتے رہ گئے جب کہ ترکھان کا بیٹا بازی جیت گیا'' پنجاب کے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ غازی علم الدین کو میانوالی، جہاں انہیں پھانسی دی گئی تھی، اس کے بجائے لاہور میں سپرد خاک کیا جائے۔ چنانچہ مسلمانوں کے ایک وفد نے جس میں علامہ محمد اقبالؒ، سر محمد شفیع، غلام محی الدین قصوری اور میاں عبدالعزیز (مالواڈہ) شامل تھے، نے گورنر پنجاب سے ملاقات کی اور غازی کو لاہور میں دفن کیے جانے کی اجازت طلب کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مسلمان زعماء کے دلوں میں غازی علم الدین شہید کے لیے کتنی محبت اور عزت تھی۔ اسی طرح کے ایک اور واقعہ میں ایک ہندو وکیل نتھو رام نے حضور نبی پاک ﷺ کی شان میں توہین آمیز کلمات کہہ کر مسلمانوں میں غصہ اور اشتعال پھیلایا۔ ایک کوچوان عبدالقیوم نے ستمبر ۱۹۳۴ء میں اس گستاخ وکیل کو کراچی کی بھری عدالت میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ انہیں بھی مسلمان آج تک غازی عبدالقیوم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ غازی پر برطانوی حکومت نے مقدمہ چلایا اور غازی عبدالقیوم کو موت کی سزا دی گئی۔ بعض لوگوں نے غازی کی سزا کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی جو مسترد کر دی گئی۔ غازی کی سزا پر عمل در آمد سے قبل مسلمانوں کے ایک وفد نے جس میں کراچی اور لاہور کے مسلم زعماء شامل تھے، علامہ محمد اقبالؒ سے ملاقات کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ غازی عبدالقیوم کی طرف سے برطانوی وائسرائے ہند کے پاس رحم کی اپیل کریں۔ علامہ اقبال بے حد متاثر ہوئے مگر وہ خاموش رہے اور ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔ کچھ دیر بعد جب وفد کے ارکان نے ان پر زور دیا تو انھوں نے پوچھا، ''کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے۔'' جب علامہ کو بتایا گیا کہ عبدالقیوم تو شہادت کے لیے بے چین ہے تو علامہ اقبال نے گورنر سے رحم کی درخواست کرنے سے انکار کر دیا، کیوں کہ اس طرح غازی عبدالقیوم شہادت کی موت سے محروم ہو جاتے، جس کے لیے ان کے دل میں تڑپ موجود تھی۔ اس موقع پر علامہ اقبال نے اپنے جذبات کا اظہار ایک مختصر سی نظم میں کیا جس کا عنوان ''لاہور اور کراچی'' ہے۔ علامہ کی یہ نظم ان کی کتاب ''ضرب کلیم'' میں موجود ہے۔ اس نظم کا ایک شعر اس طرح ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ

قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کے

میں نے ان واقعات کا تفصیلی ذکر صرف یہ بتانے کے لیے کیا ہے کہ مسلمانوں کی اعلیٰ اور جدید تعلیم یافتہ قیادت اس اہم معاملہ میں نہ صرف جمہور مسلمانوں کے سے جذبات رکھتی تھی، بلکہ ان زعماء نے عوام سے مل کر ان غازیوں کے لیے قانونی اور سیاسی جنگ بھی لڑی۔ قائداعظم کے بارے میں تو یہ بات طے شدہ ہے کہ انھوں نے کبھی جھوٹا کیس ہاتھ میں نہیں لیا، انھوں نے کوئی فیس وصول کیے بغیر غازی علم الدین کا مقدمہ خود لاہور ہائی کورٹ میں لڑا چنانچہ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے ان کے دلی جذبات کیا تھے۔ ان مقدمات میں ایک اور بات بھی مشترک نظر آتی ہے۔ ان تمام رضا کاروں نے گستاخ رسول ﷺ کو قتل کرنے کے بعد فرار ہونے کے بجائے از خود برطانوی پولیس کے سامنے پیش ہو کر اقبالِ جرم کیا۔ ان میں سے تقریباً سب ہی کو ان کے بہی خواہوں نے مشورہ دیا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے عدالت میں ارتکاب جرم سے انکار کردیں، لیکن سبھی نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ بعض وکلاء نے اپنے موکلوں کو یہ موقف اختیار کرنے کا مشورہ دیا کہ اچانک اور شدید اشتعال کے باعث وہ خود پر قابو نہ رکھ سکے تھے، چنانچہ انتہائی اشتعال کے عالم میں یہ قتل سرزد ہوا۔ لیکن غازیوں نے وکلاء کا یہ مشورہ بھی قبول کرنے سے انکار کردیا، کیونکہ جیسا کہ خود ان کا کہنا تھا، وہ تو شہادت کی پاکیزہ سعادت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے دور کی طرح توہین رسالت ﷺ کے ان مقدمات کا ''فیصلہ'' بھی گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر نہیں بلکہ ملزموں کے رضا کارانہ ''اقبال جرم'' کی بنیاد پر ہی کیا گیا تھا۔

مذہب انجیل میں توہین، ایک موازنہ: توہین رسالت ﷺ کے قانون کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی گئی ہے، مغربی دنیا میں ''توہینِ خدا'' (کلمہ کفر) کے تصور سے ان کا کوئی تعلق نہیں، چنانچہ ہم مغربی دنیا کے قوانین اور توہینِ رسالت ﷺ کے قانون کے درمیان موازنے کا مطالبہ کرتے، لیکن یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مغرب میں ''کلمہ کفر'' کے تصور کا تاریخی اعتبار سے جائزہ لیا جائے۔ یہ تجزیہ اس لیے بھی ناگزیر ہے کہ پاکستان میں توہینِ رسالت ﷺ کے قانون کے ناقدین، اس قانون کو مغرب میں قانون ''توہینِ خدا'' کی تاریخ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس قانون کے پردے میں کلیسا اور ریاست نے جو زیادتیاں کیں، ان کے باعث اس قانون کے خلاف بہ تدریج ردِ عمل ہوتا رہا، جس کے نتیجے میں بالآخر بعض ممالک میں تو یہ قانون منسوخ ہوگیا اور بعض میں برائے نام رہ گیا۔ کلیسا نے نہ صرف خود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وارث قرار دے لیا، بلکہ خود ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ لے لی اور یوں کلیسا خدا کا نمائندہ بن بیٹھا، نتیجہ یہ کہ کلیسا کے تصورات سے اختلاف کو ''کلمہ کفر'' (توہینِ خدا) قرار دے کر مستوجب سزا کروایا جاتا گیا۔ یہ مشہور مقولہ کہ ''تم وہ نہیں کرتے جو میں چاہتا ہوں''۔ اس ضمن میں کلیسا کے رویئے کا آئینہ دار سمجھا جاتا ہے۔ اس رویئے سے حصولِ علم اور بامعنی تحقیق و تفتیش کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ کلیسا میں علمیت کی گرتی ہوئی سطح اور ان کی سیاسی قوت میں اضافے کے باعث کلیسا کے ناخداؤں نے ہر اس نظریے کو جو ان کی پالیسیوں سے متصادم ہوتا ''کلمہ کفر'' اور ''توہین خدا'' قرار دینا شروع کردیا۔ ریاست نے کلیسا کی ہدایات پر نہایت وفاداری سے عمل درآمد شروع کردیا اور یوں کلیسا کے اثر ورسوخ میں اضافہ ہوتا رہا اور ریاست اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استحکام میں آلہ کار کا کردار ادا کرنے لگی۔ ۱۵۵۳ء میں انگلستان کی ملکہ الزبتھ (اول) نے بعض افراد کو زندہ جلوا دیا، کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ مسیح خدا نہیں ہیں اور چھوٹے بچوں کو بپتسمہ دینے کی ضرورت نہیں۔

انگریزی زبان کا لفظ Blasphemy دراصل یونانی لفظ ہے، جس کے لفظی معانی ''بری باتیں کرنا، بدگوئی، ابہام طرازی یا ہتک عزت'' ہیں۔ لیکن روزہ مرہ گفتگو میں اس سے ناپاک تقریر، مذہب یا خدا کے خلاف غلط اور توہین باتیں مراد لی جاتی ہیں۔ اخلاقیات وادیان کی دائرہ معارف (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس) میں اس لفظ سے ''گناہ، کلیسا یا پادری کے متعلق نصاریٰ اور یہود کے مذاہب اور دوسرے متعلقہ مذہبی مکاتب فکر کے خلاف جرم'' مراد لی جاتی ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی (مشترکہ) روایات کے مطابق اس لفظ کو ان متبرک اقدار اور مذہبی عقائد کے خلاف جرم کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے، جن کا اعلان کلیسا کی طرف سے بطور مسیحی مذہبی اقدار اور معتقدات کے طور پر کیا جاتا ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ انجیل کے اصل متن کی دیانت دارانہ تعبیر و تفسیر کو بھی جو سرکاری کلیسا کی تعبیر سے متضاد ہو، کلمہ کفر یا ''توہین خدا'' قرار دیا جاتا ہے، بلکہ اسے ''خدا کے خلاف بغاوت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن انجیل مقدس کے پرانے اور نئے عہد ناموں میں کلیسا کی رائے کو اتنا تقدس عطا نہیں کیا گیا۔ انجیل مقدس میں خدا کے خلاف نفرت انگیز زبان استعمال کرنے کی صاف صاف ممانعت کی گئی ہے۔ انجیل کے مطابق: ''تم خدا کے خلاف نفرت انگیز، توہین آمیز زبان استعمال نہیں کرو گے''، انجیل میں خدام کے نام کی توہین کی سزا موت مقرر کی گئی ہے۔ ''جو بھی خدا کے نام کی توہین کرے گا، اسے ضرور موت کے گھاٹ اتارا جائے گا اور اسے عام لوگ سنگسار کریں گے۔'' انجیل مقدس میں بعض دیگر حوالے بھی ملتے ہیں، جن کے مطابق خدا کے خلاف باتیں کرنا یا اس کے نام کو بدنام کرنے والے کو سنگین (سخت) سزا کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ کسی مسلم ریاست میں کسی غیر مسلم کی طرف سے خدا کے خلاف توہین آمیز کلمات کہنے پر اسے موت کی سزا نہیں دی جاتی، بلکہ یہ سزا صرف اور صرف توہینِ رسالت ﷺ کے مجرم کے لیے ہی مقرر کی گئی ہے۔ مسلم فقہاء نے خدا کی توہین اور توہینِ رسالت ﷺ پر سزا میں فرق پر تفصیلی بحث کی ہے۔

مسیحی روایات میں 'توہین' (توہینِ مذہب یا خدا) کا تصور کبھی یکساں نہیں رہا۔ یہ 'جرم' قدیم عبرانی زبان میں خدا کے پاک نام کی توہین سے لے کر بعض بے سروپا بیانات تک محیط ہے، جن سے کسی کے مذہبی جذبات واحساسات مجروح ہو سکتے ہیں۔ کیا چیز، کیا بات ''توہین'' یا ''کلمہ کفر'' قرار دیئے جانے کی مستحق ہے، اس کا تصور بھی ایک معاشرے سے دوسرے معاشرے تک اور ایک مقام سے دوسرے مقام بلکہ وقت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتا رہا ہے۔ لیکن جس بات کو بھی ''توہین آمیز'' گردانا گیا، اسے آزادی کا غلط استعمال ہی قرار دیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بھی معاشرہ اس نوع کی ''توہین'' یا توہین آمیز کلمات برداشت نہیں کرسکتا۔ مسیحیت کی تاریخ میں کس نوع کے اعمال یا کلمات کو ''توہینِ مذہب'' یا ''توہینِ خدا'' قرار دیا جاتا رہا ہے، اس کی وضاحت کے لیے ہم درج ذیل امور کا ذکر کریں گے۔

o حضرت عیسیٰ مسیح پر لعنت بھیجنا، ان کی شان میں بدگوئی، ان کی نبوت کو چیلنج کرنا، لعنت ملامت کرنا، ان کی ہنسی اڑانا ان کا انکار کرنا۔ o خود کو حضرت عیسیٰ کی طرح کا یا ان کی جگہ ظاہر کرنا۔ o ان کی ہمسری کا دعویٰ کرنا۔ o ان کی بطور (نبی) استعداد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوران کے سے اوصاف کا مالک ہونے کا دعویٰ کرنا۔ ٥ خدا کے کسی کام یا روح القدس کو جس نے حضرت عیسیٰ کو اللہ کے پیغام سے متحرک کیا، بُرائی یا غیر اخلاقی قرار دینا۔ ٥ مذہب سے انکار یا مذہب سے پھر جانا (مرتد ہونا)۔ ٥ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات سے انکار یا اختلاف کرنا۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان اعمال میں سے بیش تر مذہب سے انکار یا ارتداد ہی سمجھے جاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان اعمال یا پیغمبر کے بارے میں کلمات کو پیغمبر کی توہین تصور نہیں کیا جاتا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی غیر مسلم اس بات سے انکار کرے کہ محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں، تو اسے توہینِ رسالت ﷺ کا ملزم قرار نہیں دیا جائے گا اور نہ اس قانون کے تحت اسے سزا کا مستوجب سمجھا جائے گا۔ اس طرح کوئی غیر مسلم رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے انکار کرے یا کسی ایک حکم سے اختلاف کرے تو وہ اس وقت توہینِ رسالت ﷺ کا ملزم نہیں ٹھہرایا جائے گا، جب تک وہ پیغمبر ﷺ یا ان کی تعلیمات کے بارے میں توہین آمیز کلمات استعمال نہ کرے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ عیسائیت میں ''توہین'' کے قانون کا نفاذ اور اس کا دائرۂ عمل شاتم رسول ﷺ کے متعلق اسلامی قانون سے زیادہ وسیع ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں ''توہینِ پیغمبر'' کا جو تصور ہے، اس کے باعث بھی اس موضوع پر قانون کے اطلاق میں ترقی یا فروغ پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۱۶۱۱ء میں جب امریکہ کی ریاست ورجینیا میں پہلا قانون بنایا گیا، اس میں عیسائیت یا تثلیث (عیسائیوں کا عقیدہ) کی توہین پر موت کی سزا مقرر کی گئی۔ چنانچہ دوسری امریکی ریاستوں نے بھی ورجینیا کے قانون سازوں کی تقلید کی۔ ان سزاؤں میں جرمانہ، بدن کو داغنا، جلاوطن کرنا، کوڑے لگانا اور سزائے قید شامل ہیں، جو معمولی جرائم یا اعلیٰ سوسائٹی کے مجرموں کو دی جاتی تھیں۔ تعلیم عام ہونے اور روشن خیالی کے دور میں اگرچہ ''توہین مذہب'' کے تحت مقدمات میں تو کمی ہوئی، مگر سزاؤں میں ''زبان میں سوراخ'' کی سزا کا اضافہ ہوگیا۔

یہ بات بڑی اہم ہے کہ توہین پیغمبر یا توہین مذہب کے مقدمات میں فیصلہ سناتے ہوئے انگلستان اور امریکہ کے جج صاحبان بھی بڑی حد تک انہی اصولوں سے رہنمائی حاصل کرتے، جو توہینِ رسالت ﷺ کے ضمن میں مسلم فقہاء کے ذہنوں میں رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۶۷۶ء میں ایک کاشت کار جون ٹیلر نے مذہب اور حضرت عیسیٰ دونوں کی توہین کی۔ اسے شاہی عدالت سے سزا دی گئی۔ اس وقت کے چیف جسٹس میتھیو ہب نے فیصلہ دیا کہ لادینی (سیکولر) عدالتوں کو توہین پیغمبر (یا توہین مذہب) کے مقدمات سماعت کا اختیار حاصل ہے اور وہ توہین کے مرتکب کو سزا سنا سکتی ہے اور یہ کہ عیسائیت ملکی قانون کا ایک حصہ ہے اور ریاست کو حکومت اور مذہب کو ختم کیے جانے کی کوشش کے خلاف تحفظ دینا چاہیے۔ (۳۱) چیف جسٹس کے اس فیصلہ کا آخری حصہ خاص طور پر بہت اہم ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی توہین کا جرم مذہب (دین مسیح) اور حکومت کو ختم کرنے کی کوشش تصور کیا جائے گا۔

بعض مغربی عالموں نے بھی ''توہین'' کے مجرموں کو دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی طرف سے سزا دینے کا حق تسلیم کیا ہے۔ ''انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز'' (مذاہب کی دائرۂ معارف) کے ایک مضمون نگار کارل۔ ڈبلیو۔ ارنسٹ نے تسلیم کیا کہ ''یہودی یا مسیحی مذہب کی [illegible] ''توہین'' کے تصور [illegible] حاصل نہیں۔ کوئی بھی معاشرہ اپنے دیوتاؤں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توہین یا ان کو مسترد کرنے والوں کو ضرور سزا دیتا ہے، کیونکہ مذہب (یا پیغمبر) کی توہین نا قابل برداشت بات ہے۔ یہ پادریوں کے طبقہ کی توہین اور انہیں للکارنے کے مترادف ہے، اس سے عبادت گزاروں کے مضبوط اور دل میں رچے بسے عقائد اور بنیادی مذہبی اقدار کی شدید خلاف ورزی بلکہ اہانت ہوتی ہے، جو کسی بھی طبقے کے افراد میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں۔" ارنسٹ کے مطابق "توہین مذہب" (یا پیغمبر) تو ایک طرح سے کسی معاشرے کی ان اقدار اور معیار کا امتحان ہوتا ہے، جو یہ معاشرہ جہاں کہیں بھی کوئی منظم مذہب موجود ہوگا، وہاں مذہبی نوعیت کی توہین یقیناً ممنوع اور قابل سزا ہوگی" (ایک اور) جج اروسٹ کا کہنا ہے کہ "توہین مذہب کے گھناؤنے جرم کی روک تھام کے لیے موت کی سزا آخری حربہ ہے" مذہبی امن، نظم وضبط، اخلاق اور سب سے بڑھ کر اخروی نجات کے لیے ناگزیر تصور کرتا ہے۔

قانون توہین رسالت ﷺ کے بارے میں غلط فہمیاں: ہمارے معاشرے کے بعض حلقوں کی طرف سے قانون توہینِ رسالت ﷺ کے متعلق غلط فہمیوں کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ان پر بحث سے قبل ہمیں یہ دیکھ لینا چاہیے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے مطابق ریاست، جمہوریت، آزادی، مساوات، تحمل و برداشت اور سماجی انصاف کے اصولوں کی سربلندی کی ضامن ہے، مگر اس طرح نہیں جس طرح یہ اصطلاحات مغربی معاشرے یا کسی بھی اور نظریاتی نظام میں سمجھی جاتی ہیں، بلکہ ان اصطلاحات کو اسلام کے حوالے سے دیکھا اور سمجھا جائے گا (آرٹیکل ۲۳۔الف) یہ بات آئین کے حصہ "قراردادِ مقاصد" میں کہی گئی ہے اور بانیان پاکستان قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ اس لیے قرار دیا ہے، کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان اصطلاحات کی تعبیر وتشریح اس طرح ہو جس طرح یورپ کی لادینی روایات یا کسی بھی اور ثقافت کی روایات کے تحت کی جاتی ہے، بلکہ وہ ان اصطلاحات پر اسلام کی روح کے مطابق عمل درآمد کے خواہش مند تھے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ، کسی شک وشبہ کے بغیر یہ بات بھی درست ہے کہ آئین پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کو قانون، حکومتی پالیسی اور اخلاقی اصول وضوابط کے مطابق حقوق کی مکمل ضمانت دی گئی ہے۔ آئین پاکستان میں شہریوں کے حقوق و مراعات کی بعض حدود مقرر کی گئی ہیں۔ قانون کی اپنی ضروریات ہیں۔ جہاں تک سرکاری پالیسی یا اخلاقیات کا تعلق ہے تو ان کی تعبیر وتشریح عوام کی اکثریت کے احساسات اور امنگوں کے مطابق ہی کی جائے گی۔ بعض لوگ اس قانون (قانون توہینِ رسالت ﷺ) پر اس لیے اضطراب محسوس کرتے ہیں کہ وہ اسے آئین میں دیئے گئے بنیادی انسانی حقوق کے منافی تصور کرتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ اضطراب خود آئینِ پاکستان میں دی گئی، بلکہ نافذ کی گئی حدود وقیود کی روشنی میں بلاجواز ہے۔ سیاسی طور پر بھی پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کے لیے یہ بات قرین مصلحت نہیں کہ وہ اس قانون پر ناک بھوں چڑھائیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں، نہیں جانتے تو جان لینا چاہیے کہ پاکستان کے مسلمان کسی بھی شخص کا، جن میں اقلیتیں بھی شامل ہیں، یہ دعویٰ کرنے کا حق تسلیم نہیں کرتے کہ انہیں کسی بھی بہانے یا کسی بھی طرح اسلام یا ان کے پیغمبر ﷺ کی توہین کی آزادی دے دی جائے۔ پاکستان کے مسلمانوں کے لیے یہ منطق قابل فہم نہیں ہوسکتی کہ تاریخ انسانی میں مقدس ترین اور سب سے زیادہ چاہے جانے والی شخصیت کی توہین کی اجازت دے دی جائے۔

پاکستان کے (نام نہاد) آزاد خیال دانش ور دراصل، خود اپنے نظریہ آزادی کی تنگ نظری اور تعصب کی تفہیم میں ناکام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے ہیں۔ سائنسی اندازِ فکر اور آزاد خیال کے نام پر جو کچھ کیا اور کہا جا رہا ہے وہ انسانی حقوق اور شائستگی کے لیے مذہب کے نام کی جانے والی باتوں اور اعمال سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوا ہے۔

۱۸ ویں اور ۱۹ ویں صدی میں آزاد خیالی کے علم برداروں نے مسلم ہند کے ساتھ جو ظلم و ستم روا رکھا، وہ تو ایک کھلی حقیقت ہے۔ اسی طرح ۲۰ ویں صدی کے اوائل میں آزاد خیالی کے حامل بائیں بازو کے گروہوں نے وسطی ایشیا اور آج کے بوسنیا اور کوسووو میں جو کچھ کیا ہے، اس کی تو وضاحت کی ضرورت ہی نہیں۔ انڈین نیشنل کانگریس کے آزاد خیال (جن میں نہرو خاندان بھی شامل ہے) افراد بھی یہی کچھ کرتے رہے ہیں۔ عراق، ایران، لیبیا اور الجزائر کے ساتھ آزاد خیال مغرب جو کچھ کر رہا ہے، اس پر تو تبصرہ کی ضرورت ہی نہیں۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کو ایسے عناصر کی دلجوئی کے لیے اپنی بنیادی اقدار اور اپنی قومی شناخت کی بنیاد سے ہی صرف نظر کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے، جنھوں نے ہمارے ساتھ کبھی رواداری کا سلوک روا نہیں رکھا۔

بعض لوگ قانون توہینِ رسالت ﷺ پر اس لیے اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے خیال کے مطابق یہ قانون لادینی نظریات سے ہم آہنگ نہیں۔ مگر وہ یہ بنیادی بات فراموش کر دیتے ہیں کہ پاکستان کبھی بھی ایک لادین (سیکولر) ملک نہیں رہا، نہ یہ مملکت لادینیت کی بنیاد پر معرض وجود میں آئی ہے۔ بلکہ یہ ملک تو اس وقت وجود میں آیا جب متحدہ ہندوستانی قومیت کے نظریہ کو، جس کی انڈین نیشنل کانگریس موید اور حامی تھی، مسلمانوں نے بطور ایک قوم کے مسترد کر دیا اور کہا کہ ان کی شناخت تو صرف اور صرف اسلام ہی ہے۔ چنانچہ پاکستان سے یہ توقع رکھنا عبث ہوگا کہ وہ دوسری لادینی مملکتوں کی طرح کا رویہ اور پالیسیاں اختیار کرے گا۔ قطع نظر اس کے کہ دوسری لادینی ریاستیں خواہ وہاں اقتدار میں مسلمان ہی کیوں نہ شامل ہوں، اسے معاملات میں ایسا طرزِ عمل اختیار کرتی ہیں۔

بعض لوگ حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے انکار کو ان کی شخصیت سے خلط ملط کر دیتے ہیں، جب کہ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ کسی بھی غیر مسلم کو اس امر کی آزادی ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر تسلیم نہ کرے یا ان کی نبوت سے انکار کرے، لیکن کسی کو پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین کی اجازت نہیں دی جا سکتی اور نہ ہی ان کے خلاف توہین آمیز کلمات کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔

اعلیٰ مناصب پر یا معاشرے میں اعلیٰ مقام پر فائز بعض افراد تو اس قانون کے خلاف بڑے عجیب دلائل لائے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قانون کی تنفیذ اور عدلیہ میں انحطاط کے پیش نظر کسی شخص کو توہین رسالت ﷺ کے جرم میں سزا دینا بے معنی بات ہے۔ اگر یہ دلیل تسلیم کر لی جائے تو صرف پاکستان میں نہیں، دنیا کے تمام ممالک میں قوانین کو ختم کر دینا چاہیے، کیونکہ جدید دنیا میں تو امن و امان کی صورت حال کبھی تسلی بخش نہیں رہی۔

بدقسمتی سے ہمارے بعض فیصلہ ساز حضرات بھی انہی غلط فہمیوں کا شکار رہے ہیں اور وہ اکثر اوقات اس قانون کے بارے میں اپنے ذہنی تحفظات کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ گزشتہ دنوں حکومت نے چار مسلمانوں اور چار اقلیتی ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی ہے۔ اس کمیٹی کے مسلم ارکان میں نہ تو کوئی عالم دین شامل کیا اور نہ کسی ماہر قانون کو شامل کیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ دفعہ ۲۹۵ سی کے تحت مقدمات میں ایک مختلف طریق کار اپنایا جانا چاہیے۔ اس طریق کار کے مطابق پولیس کو یہ اختیار دینے کی تجویز ہے کہ وہ توہینِ رسالت ﷺ کے الزام کے پہلے تحفظات کرے اور میرٹ پر مقدمہ (ایف آئی آر) کے اندراج یا الزام مسترد کرنے کا فیصلہ کرے۔

یہ تجویز بے حد سنگین مضمرات کی حامل ہے۔ اس تجویز پر عمل کرنے سے ایک طرف تو مقدمہ کے اندراج اور ملزم کے خلاف کارروائی میں تاخیر سے امن وامان کا مسئلہ پیدا ہوسکتا ہے، جو ملزم اور دوسرے مشتبہ افراد کے قتل پر بھی منتج ہوسکتا ہے۔ جب کہ دوسری طرف یہ تجویز ملزم کو قانونی دفاع کے حق سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔ علاوہ ازیں رپورٹ کے اندراج میں تاخیر سے مقدمے کے قانونی جواز کے بارے میں بھی شکوک وشبہات پیدا ہوسکتے ہیں۔ مزید برآں پولیس کی کارکردگی کے بارے میں مضبوط تحفظات کے باعث توہینِ رسالت ﷺ کی شکایت کے قانونی جواز کے بارے میں پولیس کے کردار میں اضافہ اور پھر ایسی شکایت کو مسترد کرنے کے اختیار سے تو یہ قانون ہی کالعدم ہوکر رہ جائے گا، جو عدلیہ کے تحفظ پر بھی ایک حملے کے مترادف ہے۔

بعض لوگوں نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ توہینِ رسالت ﷺ کی شکایت (یا الزام) عدالت میں ثابت نہ ہوسکے تو الزام عائد کرنے والے کو سزا دینے کا خاص قانون بنایا جانا چاہیے۔ یہ تجویز قانون اور انصاف کے تمام اصولوں کے منافی ہے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں عدالتی نظام تیزی سے روبہ انحطاط محسوس ہوتا ہے، جہاں مدعی اور شکایت کنندگان کو کوئی تحفظ حاصل نہیں، جہاں کمرہ عدالت میں گواہوں کو دھمکیاں دی جاتی ہیں، جہاں عدالتوں کے احاطہ میں فریق مقدمہ کو قتل کردیا جاتا ہے اور مخالفوں کو موت کے سپرد کرنا معمول بن چکا ہے، وہاں پر ایسی ترمیم سے اس قانون کے تحت توہینِ رسالت ﷺ کے مجرموں کو سزا دینے کے تمام دروازے بند ہوجائیں گے، بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ اگر اس کی شکایت مسترد کردی گئی تو خود اسے بھی سزا کا مستوجب گردانا جاسکتا ہے، کون شکایت درج کرانے کے لیے آگے آئے گا۔ مزید برآں جب نہ صرف قانون سازوں اور اعلیٰ سرکاری حکام بلکہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ہمدردیاں بھی کروڑوں مسلمانوں کے بجائے جن کے محبوب پیغمبر ﷺ کی توہین ہوگی، توہین کے مرتکب افراد کے ساتھ ہوں گی، تو مسلمانوں کے لیے کوئی قابل عمل قانونی مداوا ہی نہ ہوگا۔

پھر مجوزہ ترمیم، جس کے تحت غلط شکایت کرنے والے کے لیے سزا تجویز کی گئی ہے۔ بلا ضرورت اور بلا جواز ہے کیونکہ پاکستان کے ''ضابطہ تعزیرات'' اور ''ضابطہ فوجداری'' میں جھوٹی اطلاع، جس کا مقصد کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچانا ہو، دینے والے کو سزا کی دفعات پہلے ہی موجود ہیں، پاکستان کے ''ضابطہ فوجداری'' کی باب ۱۰ اور ۱۱ میں اس نوع کے مختلف مقدمات جن میں جھوٹی گواہی دینا اور انصاف کے منافی جرائم شامل ہیں، سے نمٹنے کے لیے دفعات واضح طور پر شامل ہیں۔ چنانچہ توہینِ رسالت ﷺ کا ارتکاب کرنے والوں کے حق میں امتیازی قوانین کے بجائے ''ضابطہ فوجداری'' کے باب ۱۱ میں شامل دفعات کو مزید سادہ، آسان اور موثر بنایا جانا چاہیے۔

☆☆☆

© rasailojaraid.com